OPEN ACCESS
Al-Qamar
ISSN (Online): 2664-4398
ISSN (Print): 2664-438X
www.alqamarjournal.com

اسلام میں ماں کا مرتبہ بحوالہ احسان دانش کی نظم "گورستان"

Dignity of Mother in Islam by reference of Ehsaan *Dānish's* Poem "*Goristān*"

Dr. Rubina Yasmeen
Govt. College Women University, Faisalabad
Dr. Saima Iqbal
Govt. College University, Faisalabad
Dr. Perveen Akhtar Kullu
Govt. College University, Faisalabad

Abstract

In Islam, *mothers* hold a position of immense importance and are accorded great respect and honor. The teaching of Islam emphasize the significance of mothers and highlight their invaluable contributions to society, the family unit, and the upbringing of children. Mothers play a vital role in the education and upbringing of their children. Islam emphasizes the importance of instilling good values, morals, and religious teachings in children. A mother is often the primary source of emotional support for her children. Islam encourages mothers to provide a nurturing and loving environment for their children, offering them comfort and solace. The Prophet Muhammad ﷺ showed affection and compassion to his own children, setting an example for all parents. Ehsan Danish was a prominent Urdu poet, prose writer, linguist and scholar from Pakistan. Ehsan had an extraordinary attachment to his mother. After 1940, Ehsan Danish's mother died in Lahore. In memory of his

CC BY

mother, he wrote a long poem, The Goristan, which was published in 1941. The poem covers topics such as pain and suffering, instability of the world, helplessness of man, death and annihilation, place of learning, etc. This article presents a critical overview of this poem.

Key words: Ahsan Danish, Financial condition of poet, Sacrifices of poet's mother, intellectual review of the poem, technical review of the poem

تمہید

اسلام ایسا دین ہے جس میں خواتین کو عزت و احترام سے نوازا۔ قبل از اسلام خواتین سے بہت برا برتاؤ کیا جاتا تھا جاہلیت کے دور میں عورت کو کسی بھی رشتے میں تقدس نہ ملتا تھا۔ اللہ کا شکر ہے کہ اسلام نے خواتین کو ہر رشتہ کے لحاظ سے محترم قرار دیا۔ عورت کو ماں، بہن، بیٹی اور بیوی کے مختلف رشتوں میں باعزت مقام و مرتبہ حاصل ہوا۔ عورت کا وراثت میں بھی حصہ دار بنایا گیا۔ جہاں عورت کے فرائض مقرر کیے وہاں عورت کو حقوق بھی عطا کیے گیے۔ انسانی رشتوں میں ماں کو بہت ترجیح دہ گئی۔ قرآن و سنت کی رو سے ماں کو عزت و تکریم حاصل ہوئی اس کی مثال کسی اور مذہب میں نہیں ملتی ہے۔ اس نظم میں و عورت کو بحیثیت ماں عزت و احترام سے پیش کیا گیا ہے۔ ہمارے مذہب نے ماں کے قدموں میں جنت کی کنجی رکھ دی۔ جو اپنی ماں کی خدمت و اطاعت کرے گا وہ جنت کا حقدار ہو گا۔ یہ نظم ماں کی محبت میں لکھی گئی ہے۔ ایک عورت جب ماں بنتی ہے تو اس کی خواہش ہوتی ہے کہ وہ اپنے بچے کے لیے تاحیات جئے اور اپنے بچوں کو کبھی بھی اس دنیا میں تنہا نہ چھوڑے۔ اس کا جینا اور مرنا بچوں کی خاطر ہوتا ہے۔ اپنی عزت، اپنی جان اور اپنی ہر قیمتی چیز اپنے بچوں پر قربان کر دیتی ہے۔ ماں کے احسانات کا بدلہ انسان کبھی بھی نہیں چکا سکتا ہے۔ ماں کی جتنی بھی خدمت و اطاعت کی جائے وہ کم ہے۔ قرآن پاک میں ماں کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:**ووصینا الانسان بوالدیه احسانا۔۔(احقاف:15)** اور ہم نے انسان کو اپنے والدین کے ساتھ نیکی کرنے کی تاکید کی۔[1] والدین اپنی اولاد کو جس محنت اور شفقت سے پالتے ہیں اس کا بدلہ اولاد نہیں دے سکتی ہے۔ مگر والدین کی خدمت کرنا اور ان کا سہارا بننا اولاد کا فرض ہے۔

گورستان کا موضوع

گورستان ایک ایسی نظم ہے جو ماں کے ادب و احترام اور پیار میں لکھی گئی ہے اس کے شاعر کا نام احسان دانش ہے جو 1914ء میں کاندھلہ میں پیدا ہوئے تھے۔ احسان دانش اس قصبے کے حوالے سے لکھتے ہیں:

> ”کاندھلہ، ضلع مظفر نگر یوپی میں شاہدرہ، سہارپور ریلوے پر ایک بارونق قصبہ ہے۔ جس کے مشرق میں نہر چمن شرقی اور اس کے کنارے کنارے باغوں اور کوٹھیوں کا پر فضا منظر ہے۔“[2]

گھر میں غربت کے باعث تعلیم جاری نہ رکھ سکے اور چہارم کلاس کے بعد مدرسے کا خیر باد کہا۔ لیکن پڑھنے کے شوق میں آپ نے اردو، فارسی اور عربی زبانوں کا مطالعہ جاری رکھا۔ پھر ملازمت کی تلاش میں لاہور آگئے اور تمام عمر یہیں گزار دی۔ آپ کو شاعری کی ہر صنف پر عبور حاصل تھا۔ ان کے شعری مجموعوں میں دردِ زندگی، تفسیرِ فطرت، آتشِ خاموش، شیرازہ، چراغاں

اور گورستان کے نام سر فہرست ہیں۔ آپ شاعر، ادیب، نقاد، نثر نگار، لغت و قواعد نویس تھے۔ احسان دانش کی شخصیت کے متعلق ظفر ادیب لکھتے ہیں:

"اتنے سارے پہلو ہیں احسان صاحب کی شخصیت کے۔۔۔۔ کہ لکھنے کے لیے بیٹھے تو پہلے انتخاب کے مسئلے سے عہدہ برآ ہونا پڑتا ہے۔"[3]

احسان دانش کی والدہ نہایت متقی اور ملنسار خاتون تھیں۔ انھوں نے اپنے بچوں کو ابتدائی تعلیم گھر پر ہی دی۔ گھر میں تنگدستی تھی، اس لیے والدہ نے مشکل حالات میں اپنے شوہر اور بیٹے کا ساتھ دیا۔ آپ کی والدہ محلے کی خواتین کے کپڑے سیتی اور اناج پیسنے کا کام بھی کرتی تھیں۔ وہ اپنے شوہر کی مالی معاونت کے لیے لوگوں کے کپڑے سلائی کرتیں اور چکی کی مشقت بھی کرتیں۔ اس بارے میں احسان دانش لکھتے ہیں:

"گھر میں کوئی لکڑی، لوہے یا جست کا بکس نہ تھا اس لیے نئے اور دھلے ہوئے کپڑے ایک مٹکے میں بھرے رہتے اور عید تہوار کو میری والدہ وہی مَلے دَلے کپڑے سلوٹیں کھول کھول کر مجھے پہنایا کرتیں۔"[4]

مالی حالات اتنے خراب تھے کہ گھر میں اکثر فاقے رہتے تھے۔ یہ خاتون خود بھی روکھی سوکھی سے گزارہ کرتیں اور اپنے بچوں کو بھی صبر و تحمل کی تلقین کرتیں۔ جب کبھی ان کے گھر سالن نہ پکتا تو ان کی والدہ پانی میں بھگو کر روٹی کھلاتیں اور ساتھ ہی خود بھی کھاتیں۔ حالات کی خرابی کے باعث ان کی والدہ نے گھر کے تمام برتن بیچ دیئے۔ احسان لکھتے ہیں:

"اول تو مفلسی پہلے ہی گھر کا تمام سامان کھا چکی تھی۔ رہے سہے چند تانبے کے برتن تھے جنھیں میری والدہ اکھٹا کر لائیں اور والد کے سامنے دہلی پر ڈھیر لگا دیا۔ پھر بڑے جی دار اور روشن لہجے میں بولیں 'آخر یہ برتن کس کام آئیں گے؟ ہم تو مٹی کے برتنوں میں کھا پکا سکتے ہیں مگر احسان کو یہ عمر کہاں نصیب ہو گی؟"[5]

اردو شاعری میں والدہ کی یاد میں بہت سے شعرا نے شاعری کی ہے مگر ان میں ڈاکٹر علامہ اقبال کی نظم "والدہ مرحومہ کی یاد میں" کافی اہم ہے۔ اسی طرح احسان دانش کی والدہ کا 1940 میں لاہور میں انتقال ہوا تو اپنی والدہ کی یاد میں انھوں نے طویل نظم 'گورستان' لکھی جو 1941 میں شائع ہوئی۔

نظم کا فکری جائزہ

"گورستان" کا اصل موضوع والدہ کی وفات پر رنج و غم کا اظہار ہے۔ اس اظہار کے تین پہلو ہیں:

۱۔ فلسفۂ حیات و موت
۲۔ والدہ کی یادیں اور ان کی وفات کے بعد ردِّ عمل
۳۔ احسان دانش کا نظریہ موت

حیات و موت کا تعلق فکر سے ہے اور زندگی کا ہر پل لمحہ فکریہ ہے اسی طرح "موت سے کس کو رستگاری ہے" جو بشر بھی اس دنیا میں آیا ہے اسے موت کا ذائقہ چکھنا ہے قرآن پاک میں ارشاد باری تعالیٰ ہے: كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ؕ وَاِنَّمَا تُوَفَّوْنَ اُجُوْرَكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ہر جان موت کا مزہ چکھنے والی ہے، اور تمہیں قیامت کے دن پورے پورے بدلے ملیں گے۔[6] والدہ

کی یاد ایک ایسا اثاثہ ہے کہ اس سے کبھی بھی ہم سبکدوش نہیں ہو سکتے ہیں۔ دنیا میں آنکھ کھلتے سے لے کے تا حیات ماں کے سائے تلے ہم اپنی منزلیں طے کرتے ہیں۔ اسی لیے ماں کی یاد میں ہمارے جذبات و احساسات بے بس ہیں۔ پھر شاعر نے اپنا نظریہ موت بیان کیا ہے۔ شاعر نے اس نظم کے ذریعے پڑھنے والے کو فکر اور جذبہ دونوں کو متاثر کیا ہے۔ شاعر کی ابتدائی زندگی دکھوں اور تکلیفوں سے بھری ہوئی تھی۔ اس رنج و غم سے بھرپور زندگی کا کرب اس نظم میں محسوس کیا جا سکتا ہے۔ گورستان ایسی نظم ہے جس میں دنیاوی مصائب، رنج والم، دنیا کی بے ثباتی، انسان کی بے بسی اور موت و فنا وغیرہ جیسے موضوعات شامل ہیں۔

۱۔ فلسفۂ جبر و قدر

اس نظم میں زندگی اور موت پر ایمان کا ذکر کیا گیا ہے۔ ایک مسلمان کا عقیدہ آخرت پر یقین کامل ہے۔ موت کے بعد جی اٹھنے پر یقین۔ موت کے تصوّر سے اور خاص طور پر اُس وقت، جب انسان کی کسی عزیز ہستی کو موت اچک کر لے گئی ہو، قلبِ حسّاس پر تقدیر کی برتری اور تقدیر کے مقابلے میں انسان کی بے بسی اور بے چارگی کا نقش ابھرنا ایک قدرتی بات ہے۔

چنانچہ نظم کا آغاز ہی فلسفۂ جبر و قدر سے ہوتا ہے:

یہ پرانی زرد راہیں، یہ تھکی پگڈنڈیاں
ان کو ویرانہ کہوں کیونکر لرزتی ہے زباں
یہ جزیروں کے کھنڈر، بیکس مزاروں کے نشاں
کہہ رہے ہیں اپنی اپنی بیکسی کی داستاں [7]

پہلے اشعار میں بتایا گیا ہے کہ سورج اور چاند ستارے، سبزہ و گل اور بلبل غرض دنیا کی ہر شے فطرت کے جابرانہ قوانین میں جکڑی ہوئی ہے اور قدرت کے تکوینی نظام میں ایک معمولی ذرے کی حیثیت سے اپنا فرض ادا کرنے پر مجبور ہے:

چرخ کی تقدیر کا ٹھنڈا ستارہ سو گیا
آسماں اب صبح کی نسبت کچھ اونچا ہو گیا [8]

۲۔ فلسفۂ حیات و موت

والدہ سے وابستہ پرانی باتوں کو یاد کرتے ہوئے شاعر کو تقدیر اور موت کی بے رحمی کا خیال آتا ہے۔ چنانچہ سلسلۂ خیال زندگی اور موت کے فلسفے کی طرف مڑ جاتا ہے۔ مرثیے کے آغاز میں بھی احسان نے فلسفۂ جبر و قدر پر اظہارِ خیال کیا تھا، مگر یہاں موت اور تقدیر کے جبر کا احساس نسبتاً شدید اور تلخ ہے۔ کہتے ہیں دنیا میں جبر و مشیت کا پھندا اس قدر شدید ہے کہ کسی چیز کو اس سے مفر نہیں۔ قدرت نے انسانوں کی تباہی کے لیے مختلف عناصر (بجلیاں، زلزلے، آلام و مصائب، قحط وغیرہ) کو مامور رکھا ہے۔ ویرانہ ہو یا گلشن، محل ہو یا جھونپڑی وہ اپنا کام کر جاتے ہیں۔ بے چارہ انسان اس پر آہ بھرنے کے سوا اور کیا کر سکتا ہے نہ مجالِ شکوہ اور نہ طاقتِ گفتار۔ احسان کہتے ہیں کہ موت نے ان لوگوں کو بھی نہ چھوڑا جو بہت خوبصورت تھے۔ جن کو دیکھنے کے لیے لوگ رستوں میں کھڑے رہتے تھے۔ وہ لوگ بھی موت سے نہ بچ سکے جو دوسروں کی مدد کرتے تھے، وہ صوفی اور ولی بھی اس کے بے رحم ہاتھوں سے نہ بچ سکے جن پر اس کائنات کے راز افشاں ہو گئے تھے:

وہ سجیلے صف شکن، وہ فاتح بدر و حنین

وہ انیس خالد وضرار و انصارِ حسین
وہ سپاہی جن کے بل پہ تھی مہابھارت کی جنگ
طیش کھائے گرگ، بپھرے شیر، دیوانے پلنگ[9]

۳۔ دنیا کی بے ثباتی

شاعر نے اس نظم میں دنیا کی بے ثباتی کا ذکر کیا ہے۔ ان کے خیال میں فطرت ایک بااختیار خلاّق کی حیثیت رکھتی ہے جسے بناؤ اور بگاڑ پر پوری قدرت حاصل ہے۔ فطرت کو خوب سے خوب تر کی جستجو رہتی ہے، اس لیے وہ اپنے بنائے ہوئے نقوش خود ہی مٹاتی رہتی ہے تاکہ اس تخریب سے تعمیر کا ایک نیا اور مطلوبہ پہلو بر آمد ہو سکے۔ اس طرح موت اور تخریب کا جواز یہ ہے کہ اس سے حیاتِ نو کی ایک بہتر بنیاد فراہم ہوتی ہے:

دفن ہیں ان خاک کے تودوں میں وہ آنکھیں وہ دل
منکشف تھے جن پہ اسرار و رموز آب و گل[10]

اس شعر میں شاعر نے ان لوگوں کے فنا کا منظر دکھایا ہے جو کائنات کے رازوں سے واقف تھے لیکن موت نے ان کو بھی نہ چھوڑا۔ وہ بھی منوں مٹی تلے دب گئے۔

۴۔ انسان کی بے کسی و بے چارگی

شاعر قبرستان کی طرف بڑھتا ہے اس وقت تپتی دھوپ نے ہر چیز کو بے حال کر دیا ہے تو شاعر محسوس کرتا ہے کہ خاموشی نے بات چیت پر پابندی لگا دی ہے۔ انسان چاہے کتنا بھی شان و شوکت والا ہو خواہ معمولی قسم کا مزدور ہو یہاں آکر سب برابر ہو جاتے ہیں۔ دنیا کے تمام قانون، آئین و ضوابط یہاں بے معنی ہیں۔ عشق، حسن، بے بسی، محبت، غرور، تمکنت غرض سارے رشتے، سارے جذبے بے معنی ہیں:

بھول جاتی ہیں یہاں مائیں محبت کے اصول
امتوں کی دستگیری چھوڑ دیتے ہیں رسول[11]

۵۔ مزدوروں کے جذبات کی عکاسی

شاعر کا اصل مقصد عوام اور کمزور طبقے کے حقوق کے لیے آواز بلند کرنا اور مزدوروں کے جذبات کی عکاسی کرنا ہے۔ وہ اکثر سوچتے رہتے تھے جس سے اندازہ ہو جاتا تھا کہ آپ کچھ لکھنے والے ہیں جو ان پر آمد ہوتی تھی اس بارے میں سید مسیح الحسن لکھتے ہیں:

”جب انھیں نظم کہے عرصہ ہو جاتا تو وہ یکایک خاموش ہو جاتے اور ایسے خاموش کہ گمان گزرتا ہے کہ انھیں کوئی فکر لاحق ہے۔ لیکن جاننے والے جانتے ہیں کہ جب وہ اس طرح خاموش ہو جاتے ہیں تو کچھ نہ کچھ کہتے بھی ضرور ہیں۔“[12]

اس نظم میں بھی وہ اپنا نصب العین فراموش نہیں کرتے بلکہ مزدوروں کے ساتھ ہونے والے مظالم کو منظر عام پر لے آتے ہیں۔ خصوصاً وہ ان سپاہیوں کے مدح خواہ ہیں کیونکہ آج انسانوں میں سچائی اور ایمانداری نہیں ہے۔ اپنا فرض پورا کرنے کا جوش اور ولولہ باقی نہیں رہا:

اب نہ وہ روحیں، نہ کس و بل، نہ وہ جوہر، نہ وہ خوں
زرد ہے روئے شجاعت، گم ہے تقدیس جنوں[13]

اب وہ نبضِ آب و گل پہچاننے والے گئے
مورچوں پر ڈٹ کے سینے تاننے والے گئے[14]

٦۔ دردوالم کا بیان

گورستان گونا گوں کیفیات کی حامل نظم ہے۔ جس جگہ انہوں نے دل کی ترجمانی کی ہے وہاں اپنے درد و الم کا ذکر بھی کیا ہے۔ گورستان زمین کا وہ حصہ ہے جس جگہ دنیا کی عظیم ہستیاں دفن ہیں۔ جن کی آواز سے نغمہ بھی ضوناک ہو جاتا ہے۔ ان عظیم ہستیوں کے ساتھ وہ عام مزدور بھی دفن ہیں جن کا لہو شوالوں، کلیساؤں، محراب و منبر ہر دیوار میں شامل ہے۔ اس قبرستان میں وہ معمولی سپاہی بھی ہیں جنھوں نے کھلے میدانوں کے ساتھ ناہموار چٹانوں، جنگلوں اور دریاؤں کو فتح کیا۔ لیکن آج وہ سب مٹی کے اندر سوئے پڑے ہیں۔ احسان اپنی والدہ کے بارے میں سوچتے ہیں کہ وہ ان کو چھوڑ کر جا چکی ہیں تو وہ مزید غم زدہ ہو جاتے ہیں:

آہ ان ویرانوں میں میری جنت دفن ہے
میری عظمت دفن ہے میری محبت دفن ہے[15]

عمر بھر ئی داغ اب سینے سے جا سکتا نہیں
زندگی میں زندگی کا رنگ آ سکتا نہیں[16]

۷۔ عظمت انسان

احسان دانش نے نظامِ کائنات میں انسان کے مقام اور اس کی عظمت کے بارے میں اظہارِ خیال کیا ہے۔ آغاز، آسمان میں چمکتے ہوئے ستاروں کے ذکر سے ہوتا ہے۔ احسان دانش کے خیال میں ستارے اپنی تمام تر آب و تاب، چمک دمک اور طوالتِ عمر کے باوجود قدرت کے تکوینی نظام کے بے بس کارندے ہیں اور نہ جانے کب سے ایک محدود دائرے کے اندر اپنا مقررہ فرض ادا کر رہے ہیں۔ اس کے مقابلے میں انسان کے مقاصد کہیں زیادہ پاکیزہ تر، اس کی نگاہ کہیں زیادہ دور رس اور وسیع اور اس لا محدود کائنات میں اس کا مرتبہ کہیں زیادہ بلند ہے۔ انسان نے ہی کائنات کے اندر خوب صورتی پیدا کی ہے۔ انسان نے اپنی ہمت اور بہادری سے نہ صرف خشکی بلکہ تری پر بھی اپنی عظمت کا پرچم گاڑا ہے:

جن کی شہ رگ کا لہو پی کر جواں ہے کائنات
کرتی ہے تصنیف جن کی عمر خونیں واقعات
نام کھودے ہیں جنھوں نے خود زمین کے طشت پر
جن کی مہریں ثبت ہیں قرطاس بحر و دشت پر[17]

۸۔ ماں سے محبت کا انداز

احسان دانش اپنی والدہ کی قبر پر جا کر روتے ہیں اور گلہ کرتے ہیں کہ وہ ان کو بے رحم دنیا میں اکیلا چھوڑ کر کیوں آ گئی۔ احسان اپنی ماں کو ایک رہبر ور ہنما سے تشبیہ دیتے ہیں۔ والدہ کی یاد میں بہائے جانے والے آنسوؤں نے دل کے بوجھ کو ہلکا کر دیا ہے۔ سارا میل کچیل آنسوؤں میں تحلیل ہو کر آنکھوں کے راستے خارج ہو گیا ہے۔ اب وہ خود کو بالکل ہلکا پھلکا اور معصوم بچے کی مانند محسوس کرتا ہے۔ شفیق والدہ کی یاد، شاعر کو ماضی کے دریچوں میں لے گئی ہے۔ جب وہ چھوٹا سا تھا تو ماں اس ننھی سی جان کو اپنی گود میں لے کر پیار کرتی اور دودھ پلاتی تھی۔ اب وہ ایک نئی اور مختلف دنیا میں زندگی بسر کر رہا ہے۔ جس جگہ ساری دنیا اس کو مٹانے کے درپر ہے:

جمع ہے طوفاں دیا دل کا بجھانے کے لیے
چرخ کی گردش پہ گردش ہے مٹانے کے لیے[18]

۹۔ماں کی تعلیم و تربیت کا بیان

احسان دانش نے نہایت جامع انداز میں ماں کی تربیت کا بھی ذکر کیا ہے۔ ماں کی اچھی تربیت نے ان کو ذوق سلیم بخشا ہے۔ ماں نے ایسی تعلیم دی ہے جس کی مثال دنیا میں نہیں ملتی، ایسی دولت دی ہے جو کسی بادشاہ کے پاس نہیں ہو سکتی۔

تو نے جس ماتھے کو چوما ہے بصد لطف و کرم
وہ قیامت تک نہ ہو گا اب کسی چوکھٹ پہ خم[19]

۱۰۔ماں کی یاد

احسان دانش اپنی ماں کو بہت یاد کرتے ہیں اور وہ اس نظم میں بیان کرتے ہیں کہ وہ اکیلے ہی ماں کے دکھ میں مبتلا نہیں ہیں بلکہ احسان دانش کے بیٹے فیضان دانش اور ذیشان دانش بھی تجھے ڈھونڈتے ہیں اور جب وہ تجھے آوازیں دیتے ہیں تو میں غم سے رو دیتا ہوں۔ لکھتے ہیں:

"جب بلاتا ہے تجھے فیضان رو دیتا ہوں میں
دیکھتے ہی دیکھتے اوسان کھو لیتا ہوں میں
رو کے کہتی ہے تری معصوم عزت بار بار
دادی اماں کی طرح اماں نہیں کرتی ہیں پیار
ضد یہ کرتا ہے ترا ذیشان باحالِ حزیں
دادی اماں ہیں جہاں، مجھ کو بھی پہنچا دو وہیں
آہ ان بچوں کو میں کس طرح سمجھاؤں یہ بات
مرنے والے چھوڑ دیتے ہیں عموماً التفات"[20]

احسان دانش لکھتے ہیں کہ ماں میں جب اپنے بچوں کو تیری یاد میں تڑپتے دیکھتا ہوں تو اور بھی افسردہ ہو جاتا ہوں۔ میں ان معصوموں کو کیسے سمجھاؤں کہ ماں اب ہمیں ہمیشہ کے لیے چھوڑ گئی ہیں۔

۱۱۔احسان دانش کا نظریہ موت

احسان دانش نے موت کے تصور کو حکیمانہ طریقے سے بیان کیا ہے۔ اس حوالے سے مولانا سعید احمد اکبر آبادی لکھتے ہیں:

"احسان کے نزدیک موت نام ہے ایک کیفیت سے انتقال کا دوسری کیفیت کی طرف۔ دوسری کیفیت کے لحاظ سے موت اور پھر وہی کیفیت ایک اور کیفیت کے اعتبار سے زندگی ہے۔"[21]

موت ایسی حقیقت ہے جس سے کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ انسان اپنی تمام ترترقیوں کے باوجود موت پر فتح حاصل نہیں کر سکا۔ یہ قدرت کا وہ قانون ہے جسے دنیا کی کوئی طاقت بدل نہیں سکتی۔ منکر خدا بھی موت پر یقین رکھتا ہے۔ احسان دانش کو موت میں بھی زندگی کا دوسرا رخ نظر آتا ہے۔ موت عالم انسان کو ختم نہیں کرتی موت محض تبدیلی کا نام ہے۔ احسان دانش لکھتے ہیں:

الاماں کیا کارواں در کارواں ہے زندگی
ذرے ذرے کے کلیجے میں تپاں ہے زندگی
موت ذرے کو بھی مرکز سے ہلا سکتی نہیں
شکل و صورت کو بدلتی ہے مٹا سکتی نہیں[22]

فنّی تجزیہ

فنی محاسن سے مراد ہے کہ شاعر نے اپنے کلام میں جس فنکارانہ چابکدستی سے اپنے خیالات کو پیش کیا ہے اس کے مختلف پہلوؤں کا جائزہ لیا جائے۔ ابو اعجاز حفیظ صدیقی نے فن کی درج ذیل خوبیاں بیان کی ہیں:

"1۔ حقیقت کی مسرت بخش عکاسی یا ترجمانی

2۔ صرف اظہار کی بجائے حسنِ اظہار کی کوشش۔"[23]

"گورستان" درحقیقت ایک مرثیہ ہے۔ یہ مثنوی ہیئت میں لکھی گئی نظم ہے۔ اس کا اسلوب بیانیہ ہے۔ طویل نظم کا مخصوص تخلیقی مزاج اور فنی اصول اس نظم میں موجود ہے۔

ا۔ لہجے کا تنوع

"گورستان" ایک مرثیہ نظم ہونے کی بنا پر اپنے موضوع کی مناسبت سے معتدل، نرم اور دھیما لہجہ رکھتی ہے۔ جن مقامات پر انسان کی بے بسی، قدرت کی جبریت اور زندگی کی بے ثباتی کا ذکر ہوا ہے، وہاں لہجہ بہت نرم اور معتدل ہے اور جن حصوں میں شاعر نے والدہ سے محبت اور اس کی عظمت کا بیان کیا ہے وہاں اس کے لہجے میں درد و کرب اور حسرت و حرماں نصیبی کی ایک خاموش لہر محسوس ہوتی ہے۔ اس حسرت بھری خاموشی کو دھیمے پن سے بڑی مناسبت ہے۔ شاعر کے جذبات کے اتار چڑھاو نے بھی اس کے دھیمے لہجے کا ساتھ دیا ہے۔ پھر الفاظ کے انتخاب، تراکیب کی بندش اور مصرعوں کی تراش سے بھی یہی بات آشکارا ہے۔ چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

وقت نے جنگل کو گرمی کے حوالے کر دیا
بڑھنے والا سوز ذروں کی رگوں میں بھر دیا[24]

ماں کو اپنائیت کے لہجے میں پکارنے سے ماں کی محبت میں سچائی آجاتی ہے:

اے مری محبوب امی! اب کہاں پاؤں تجھے
کیسا بے بس ہوں، کہاں سے ڈھونڈ کر لاؤں تجھے[25]

اس لہجے میں شاعر کے دل کا درد، خستگی اور حرماں نصیبی گھل مل گئے ہیں۔

مرثیے میں بعض مقامات ایسے بھی ہیں جہاں شاعر کا لہجہ، مرثیے کے مجموعی لہجے سے قدرے مختلف ہے۔ یہ وہ مقامات ہیں جہاں شاعر نے فلسفۂ جبر و اختیار اور حیات و ممات پر غور و خوض کے بعد اپنے مثبت نتائج پیش کیے ہیں۔ یہ نتائج یاس و نامرادی اور افسردگی کے بجائے تعمیری نقطۂ نظر کے مظہر ہیں، اس لیے ایسے مقامات پر شاعر کے ہاں جوش و خروش تو نہیں، البتہ زندگی کی ایک شان اور گرم جوشی کا لہجہ ملتا ہے، مثلاً:

ذرے ذرے میں نمایاں موت کی تصویر ہے
لیکن اس تصویر میں گنجائشِ تقریر ہے[26]

۲۔ سوز و گداز

زیرِ مطالعہ مرثیہ کی انفرادیت اور اثر انگیزی کا سبب اس کا وہ سوز و گداز ہے جس سے نظم کے کسی قاری کا غیر متاثر رہنا ممکن نہیں۔ مرثیے میں یہ سوز و گداز اس وجہ سے پیدا ہوا کہ احسان کے پیشِ نظر یہ ایک جذباتی موضوع تھا۔ ایک ایسے موضوع پر شعر کہتے ہوئے، جس کا انسان کے جذبات سے گہرا تعلق ہو، سوز و گداز کا پیدا ہونا ایک فطری امر ہے۔

۳۔ منظر نگاری

اردو میں امیجری کے متبادل کے طور پر عموماً تصویر، تصویر کشی، پیکر تراشی، شاعرانہ مصوری، لفظی تصویر سازی جیسے الفاظ استعمال کیے جاتے ہیں۔ ڈاکٹر سلیم اختر کا کہنا ہے:

> "جب شاعر مناسب ترین الفاظ کی مدد سے کسی شخص، شے، منظر یا وقوعہ کی آنکھوں کے سامنے، تصویر کشی کرے کہ اس شخص، شے، منظر یا وقوعہ کی آنکھوں کے سامنے تصویر کھینچ جائے، تو اس امیجری کہتے ہیں۔"[27]

احسان دانش کی طویل نظموں کی ایک نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ وہ نظم کی ابتدا میں قدرتی مناظر کی عکاسی سے پس منظر کا کام لیتے ہیں۔ یہی حصہ تمہید کا بھی ہوتا ہے۔ گورستان میں شاعر نے پہلے دوپہر کا منظر بیان کیا ہے پھر قبرستان پر بات کی ہے۔ شاعر نے قبرستان میں جاتے ہوئے تپتی دوپہر کی خوب صورت منظر کشی کی ہے:

گرم سناٹے میں جھینگر کی صدا کا ہے یہ حال
پڑ رہا ہو جیسے خاموشی کے پیمانے میں بال
فاختہ کی دکھ بھری کو کو صدائے اشک تاب
پا رہی ہے دور کی پگھلی فضاؤں سے خواب[28]

۴۔ حسنِ بیان کے چند پہلو

فنی اعتبار سے یہ مرثیہ حسنِ بیان کا ایسا خوب صورت نمونہ ہے جس کی مثال اردو شاعری میں شاید ہی ملے گی۔ زیرِ مطالعہ نظم میں زبان و بیان اور صنائع بدائع کے وسائل غیر شعوری طور پر استعمال کیے گئے ہیں۔ حسنِ بیان کے چند پہلو ملاحظہ ہوں:

تشبیہات

ڈاکٹر ظہیر رحمتی نے تشبیہ کی وضاحت ان لفظوں میں کی ہے:

"اصطلاح میں تشبیہ، بیان کی ایسی صفت کو کہا جاتا ہے جس میں دو اشیاء کے درمیان کسی مشابہت یا مشارکت کی بنا پر ایک شے کو دوسری شے کے مماثل اور مشابہ قرار دیا جاتا ہے۔"[29]

ہر کرن سورج کی ہے تپتے ہوئے سونے کا تار
دوپہر ہے اب ہوا کے گرم گھوڑے پر سوار[30]

راستوں کے دل سے آہوں کی طرح اٹھتی ہے خاک[31]

استعارہ

استعارہ کا لفظی مطلب ہے ادھار لینا۔ اس کے اصطلاح مفہوم کو ڈاکٹر بصیرہ عنبرین نے واضح کرنے کی کوشش کی ہے۔
"یہ علم بیان کی وہ صورت ہے جس میں کوئی اصطلاح یا جملہ کسی ایسی شے کے بارے میں کہا جاتا ہے جس پر وہ لغوی معنوں میں منطبق نہیں ہوتا۔ مقصد 'دو اشیاء کے درمیان مشابہت بتانا ہوتا ہے۔"[32] استعارہ کی مثال کے لیے یس شعر کو دیکھیں:

سو رہے ہیں اس جگہ وہ برق فطرت شعلہ خو
ہے تمدن کی رگوں میں آج تک جن کا لہو[33]

تلمیح

تلمیح کی وضاحت انور جمال اس طرح کرتے ہیں:

"کلام میں کوئی ایسا لفظ یا مرکب استعمال کرنا، جو کسی تاریخ، مذہبی یا معاشرتی واقعے یا کہانی کی طرف اشارہ کرے تلمیح ہے۔"[34]

وہ سجیلے صف شکن، وہ فاتح بدر و حنین
وہ انیسِ خالد و ضرار و انصارِ حسین[35]

تجسیم نگاری

پروفیسر کلیم الدین احمد تجسیم کو تجسم بھی کہتے ہیں، اس کا مطلب ہے:

"Personification تجسم، بے جان اشیاء یا مجرد خیالات کو انسانی صفات عطا کرنا۔"[36]

زرد کر دیتی ہے یہ آب و ہوا روئے بہار
اس زمین پر جھک کے چلتا ہے غرور شہریار[37]

پنجابی زبان کا استعمال:

ناخدا اس گھاٹ کی کشتی کو کھے سکتا نہیں[38]

۵۔ صنعت گری

صنعتِ مراعاۃ النظیر:

وقت کا غصہ، زمیں کا طیش، گردوں کا ستم
ریت کی جاجم سے یہ اڑتے ہوئے نقشِ قدم[39]

صنعتِ تجنیس تام

شمس بریلوی کے نزدیک:

"کلام میں دو لفظ لانا جو تعداد (حروف)۔۔۔ نقاط اور اعراب میں یکساں لیکن معنی میں فرق ہو۔"[40]

اب وہ بازو خاک ہو کر مل گئے ہیں خاک میں
مچھلیاں تھیں جن کی مضطر ضوش آہن چاک میں[41]

صنعتِ ترافق

(جس مصرع کو چاہیں، پہلے پڑھیں اور معنی میں کوئی فرق نہ آئے):

سو رہے ہیں اس جگہ وہ برق فطرت شعلہ خو
ہے تمدن کی رگوں میں آج تک جن کا لہو[42]

صنعتِ ایہام تضاد

ساعتیں دے دی ہیں کچھ آغاز کو انجام نے
زندگی اک بلبلا ہے آندھیوں کے سامنے[43]

نئی اور خوب صورت تراکیب:

قرطاسِ بحر و دشت، اسرارِ ورموزِ آب و گِل، سحر شادابی، تقدیسِ جنوں، نبضِ آب و گِل، جنسِ بے بہا

محاکات

دوش سے شاخوں کے گر پڑتے ہیں پتے خاک پر
مردنی سی پھیل جاتی ہے خس وخاشاک پر[44]

مرثیے کے اختتام پر احسان دانش اپنا نظریہ موت بیان کرتے ہیں۔ زندگی و موت اور جبر وقدر کے مسئلے پر اظہارِ خیال کرتے ہیں اور ساتھ ہی دنیا میں اپنی عزیز ترین ہستی ماں کی یاد میں مغموم اور مجبور انسان کی طرح آنکھوں کے سرِ شک آباد سے آنسو بھی بہاتے ہیں۔

خلاصۂ بحث

اس نظم کی کتاب کے چار مقدمے ہیں اور اس کے بارے میں ایک مضمون علامہ نیاز فتح پوری نے بھی لکھا ہے۔ اس کا پہلا مقدمہ ڈاکٹر محی الدین قادری زور نے لکھا ہے اور دوسرا مقدمہ شاہ معین الدین ندوی نے لکھا ہے۔ تیسرا مقدمہ مولانا سعید احمد اکبر آبادی نے تحریر کیا ہے چوتھا اور آخری مقدمہ مولانا ابراحسنی گنوری نے تحریر کیا ہے۔ انھوں نے موت کا فلسفہ اور اس کے انسانی زندگی پر اثرات کا جائزہ لیا ہے۔ اس نظم میں احسان دانش کا اسلوب بیانیہ ہے۔ احسان نے پیرائے اظہار کی تمام خامیوں پر قابو پالیا۔ ان کی یہ نظم خوبصورت، مترنم اور غنائی ہے۔ احسان کا نظریہ اور فن پختگی اور بالغ نظری کی طرف گامزن ہے۔

References

[1] Al-Aḥqāf 46:15.

[2] Aḥsān Dānish, *Jahān-e-Dānish* (Lahore: Al-Qaim Art Press, 1975), 19-20.

[3] Adeeb Zafar, *Guft-o-Shoneed (*Dehli: Qaṣar-e-Urdu, Urdu Bazar, 1967), 1:196.
[4] Aḥsān Dānish, *Jahān-e-Dānish*, 25.
[5] Aḥsān Dānish, *Jahān-e-Dānish*, 71.
[6] Al-'Imrān 3:185.
[7] Aḥsān Dānish, *Ghoristān* (Lahore: Maktaba-e-Dānish, 1941), 71.
[8] Aḥsān Dānish, *Ghoristān*, 73.
[9] Aḥsān Dānish, *Ghoristān*, 82.
[10] Aḥsān Dānish, *Ghoristān*, 76.
[11] Aḥsān Dānish, *Ghoristān*, 75.
[12] Masīḥ al-Hassan Baqa Naqvī, *Jada No(Pesh Lafz)* (Lahore: Anjman Ta'meer-e-Adab, 1940), 12.
[13] Aḥsān Dānish, *Ghoristān*, 82.
[14] Aḥsān Dānish, *Ghoristān*, 83.
[15] Aḥsān Dānish, *Ghoristān*, 87.
[16] Aḥsān Dānish, *Ghoristān*, 88.
[17] Aḥsān Dānish, *Ghoristān*, 89.
[18] Aḥsān Dānish, *Ghoristān*, 90.
[19] Aḥsān Dānish, *Ghoristān*, 91.
[20] Aḥsān Dānish, *Ghoristān*, 92.
[21] Sa'eed Ahmad Akbar Abadī, *Ghoristan(Preface)*, 33.
[22] Aḥsān Dānish, *Ghoristān*, 99.
[23] Abu al-I'jāz Hafeez Siddiquī, *Kashaaf Tanqeedi Istlatahaat* (Islamabad: Adāra Taraqi-e-Urdu, 2018), 188.
[24] Aḥsān Dānish, *Ghoristān*, 71.
[25] Aḥsān Dānish, *Ghoristān*, 89.
[26] Aḥsān Dānish, *Ghoristān*, 92.
[27] Saleem Akhtar, *Tanqeedi Istlahaat* (Lahore: Sang-e-Meel Publications, 2011), 46.
[28] Aḥsān Dānish, *Ghoristān*, 72.
[29] Zaheer Raḥmatī, *Ghazal ki Tanqeed ki Istlahaat* (New Dehli: Jwahar Laal Nehro University, 2005), 156.
[30] Aḥsān Dānish, *Ghoristān*, 71.
[31] Aḥsān Dānish, *Ghoristān*, 72.
[32] Dr. Baseera Ambreen, *Mohsinat-e-Shair-e-Iqbāl* (Lahore: Bazam e Iqbāl, 2010), 93.
[33] Aḥsān Dānish, *Ghoristān*, 77.
[34] Anwar Jamāl, *Adbi Istlahaat* (Islamabad: National Book Foundation, 2012), 74.
[35] Aḥsān Dānish, *Ghoristān*, 81.
[36] Kaleem al-Dīn Ahmad, *Farhang-e-Adbī Istlahaat* (New Dehli: Taraqi-e-Urdu Beaure, 1986), 149.
[37] Aḥsān Dānish, *Ghoristān*, 74.
[38] Aḥsān Dānish, *Ghoristān*, 77.
[39] Aḥsān Dānish, *Ghoristān*, 84.
[40] Shamas al-Dīn, *Taḥqeqī-o-Adbi Jā'za: Hadaed Bakhshash* (Karachi: Madinah Publicationg Company, 1976), 186.
[41] Aḥsān Dānish, *Ghoristān*, 77.
[42] Aḥsān Dānish, *Ghoristān*, 77.
[43] Aḥsān Dānish, *Ghoristān*, 85.
[44] Aḥsān Dānish, *Ghoristān*, 98.